Al-Kashaf (Journal of Social Sciences) (Miscellaneous)
Volume: 05, No: 02. April – June 2025
ISSN: 2790-8798; E-ISSN: 2790-8801

قرآن مجید کے قصص انبیاءؑ سے فقہی احکام کا استنباط

Deriving Jurisprudential Rules from the Stories of the Prophets in the Holy Qur'an

Dr. Muhammad Riaz Mahmood *

** Associate Professor, Department of Islamic Thought, History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad.*

KEYWORDS

Fiqh,
Holy Qur'an,
Jurisprudential Rules,
Prophets,
Qur'anic Narratives,
Tafsir.

ABSTRACT

This research article explores the derivation of jurisprudential rulings from the Qur'anic narratives of the prophets, arguing that these stories are not merely historical accounts or moral parables but contain implicit legal principles that can guide Islamic legislation. While traditional Islamic jurisprudence primarily relies on clear Qur'anic verses and prophetic traditions, the stories of the prophets offer a rich yet underutilized source for extracting legal maxims. This study adopts a deductive and analytical methodology, examining specific prophetic narratives including those of Hazrat Adam(AS), Hazrat Nuh(AS), Hazrat Ibrahim(AS), Hazrat Lut(AS), Hazrat Shuayb(AS), Hazrat Musa(AS), Hazrat Dawud(AS), Hazrat Sulayman(AS) and Hazrat Yusuf(AS) peace be upon them all. The research identifies legal rulings pertaining to the sanctity of human life, contractual obligations, penal laws such as amputation for theft, the legal status of previous scriptures, gender interaction rules, judicial evidence standards, and property rights. The findings demonstrate that prophetic stories establish foundational legal principles such as justice, consultation, evidence based judgment, and the removal of harm. These principles transcend their specific historical contexts and offer timeless guidance. The study emphasizes that deriving rulings from these narratives requires careful attention to contextual details, the distinction between prophetic actions that are legislative and those that are merely customary, and the avoidance of superficial analogies. By integrating story based jurisprudence into mainstream legal theory, Islamic law can address contemporary challenges with greater flexibility and authenticity. This humanized approach bridges narrative theology and positive law, reaffirming that every element of the Holy Qur'an serves a legislative purpose. The research concludes that prophetic stories constitute a supplementary source of Islamic jurisprudence that deserves systematic development in modern legal scholarship.

ا۔ موضوع تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پس منظر

قرآن مجید کی عظمت کے متعدد دلائل واسباب ہیں، جن کا ایک نمایاں سبب یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لیے جامع اور ہمہ گیر راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ کتاب صرف عبادات و مناسک کی تعلیم نہیں دیتی بلکہ انسانی معاشرت کی تمام جہتوں کے لیے ایک مکمل دستور العمل ہے۔ اس عظیم متن کے اندر جہاں صریح احکام موجود ہیں وہاں طویل قصص وحکایات بھی بیان کی گئی ہیں جنہیں عام طور پر پند و موعظت کا دریا سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن مجید میں کسی واقعے کو ذکر فرمایا تو وہ محض دل بھلانے یا کہانی سنانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ ہر حرف، ہر جملہ اور ہر منظر نامہ اپنے اندر چھپے ہوئے

*Corresponding Author: Dr. Muhammad Riaz Mahmood
Email Address: *riaz.mahmood@aiou.edu.pk*

احکام و فرامین کا خزانہ لیے ہوئے ہے۔ ان قصص انبیاءؑ کو محض بچوں کی رات کی کہانیاں سمجھ لینا یا ان سے صرف ایمان افزا سبق حاصل کرنا حقیقت کا صرف ایک گوشہ ہے جبکہ دوسرا اور زیادہ اہم گوشہ فقہی استنباط کا ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو ابتدائی مجتہدین اور مفسرین نے ان قصص سے قانونی نکات نکالنے میں قابل قدر کام کیا ہے۔ آج کے اس دور میں جب نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں اور قدیم فقہی تعبیرات بعض اوقات ناموزوں محسوس ہوتی ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم براہ راست قرآن مجید کی طرف رجوع کریں اور انبیاءؑ کے قصص کو قانونی آنکھ سے دیکھیں۔ ان قصص میں شریعت کے بنیادی اصول اور ابدی احکام اس طرح ملفوف ہیں کہ اگر انہیں کھولا جائے تو جدید دور کے کثیر مسائل کا حل نکل آتا ہے۔ پس منظر کے طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلامی علمی روایت میں قصص سے فقہی استنباط کوئی نیا تصور نہیں بلکہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے فقہی استدلالات میں کثرت سے ایسے شواہد ملتے ہیں جہاں انہوں نے کسی نبی کے فعل یا کسی واقعے سے کوئی حکم ثابت کیا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ان قصص کے اندر سے وہ قانونی نکات نکالے جائیں جو بشری معاشرے کے لیے آفاقی اور پائیدار نوعیت رکھتے ہوں چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات یا پھر حدود و تعزیرات۔ اس طرح یہ موضوع آج کے اس دور میں جب اسلامی تہذیب اپنی شناخت کی بحالی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

۲۔ قصص انبیاء کی فقہی حیثیت اور استنباط کے اصول

قرآن مجید کے قصص انبیاءؑ کو فقہی نظر سے دیکھنے کے لیے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ آخر یہ قصص قانونی اعتبار سے کس درجے پر فائز ہیں۔ کیا ان کا درجہ وہی ہے جو صریح الاحکام آیات کا ہے یا پھر یہ ثانوی درجے میں آتے ہیں۔ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے اصول فقہ کی روشنی میں چند بنیادی باتیں بڑی اہم ہیں۔ قرآن مجید کا ہر لفظ اور ہر جملہ وحی الٰہی ہے اور اس میں سے کسی بھی حصے کو دوسرے سے کمتر نہیں سمجھا جا سکتا البتہ آیات کے مدلولات کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ بعض آیات کا مدلول صریح اور قطعی ہوتا ہے جیسے کہ حرمت شراب یا وجوب نماز اور بعض آیات کا مدلول ظنی ہوتا ہے جیسے کہ قصص میں موجود اشارات اور کنایات۔ یہاں پر اصول یہ ہے کہ صریح الاحکام تو بلا چون و چرا قابل قبول ہیں جبکہ قصص کے اندر سے جو احکام نکالے جائیں وہ ظنی الوجود ہونے کے سبب اجتہادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ استنباط کے اصولوں کی بات کی جائے تو ایک اہم اصول یہ ہے کہ کسی نبی کا کوئی فعل یا قول جب قرآن مجید میں بغیر کسی تردید کے بیان کیا گیا ہو اور اس کے سیاق و سباق سے یہ ثابت ہو کہ وہ فعل اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر مبنی تھا تو وہ فعل امت کے لیے اسوہ حسنہ کا درجہ رکھتا ہے۔[1] یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاء کے

---

[1] البزدوی، علی بن محمد، **اصول البزدوی** (بیروت: دار لفکر، 1990ء)، ج:1، ص:57-91؛ الشافعی، محمد بن ادریس، **الرسالہ** (بیروت: دار الفکر، 1987ء)، ص:688-719

افعال میں سے وہ افعال جن کا تعلق محض عادات بشریہ سے ہو جیسے کھانا پینا، سونا جاگنا یا سفر کا کوئی معمولی طریقہ ان سے فقہی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ افعال نبوت کی وجہ سے نہیں بلکہ بشریت کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں۔ جب کوئی نبی کسی قوم کے لیے کوئی قانون یا حدود متعین کرتا ہے اور قرآن مجید اسے بطور تعریف بیان کرتا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قانون اپنی اصل میں معتبر ہے اگرچہ اس کی جزئیات بعد کی شرائع میں منسوخ ہو چکی ہوں۔[2]

جب قرآن مجید میں کسی نبی کے کسی ساتھی یا مخالف کے فعل کو بطور انکار یا مذمت بیان کیا گیا ہو تو اس سے رد عمل کے طور پر ایک مثبت حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے حکم کے باوجود بچھڑے کی عبادت کو اختیار کیا تو اس سے یہ حکم ثابت ہوا کہ شرک حرام ہے اور اس کی کوئی صورت قابل قبول نہیں۔ قصص میں موجود وہ احکام جو عقل سلیم اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہوں اور جن میں کسی خاص قوم یا عہد کی کوئی تخصیص نہ ہو وہ ہمیشہ کے لیے قابل عمل ہیں۔ ضروری ہے کہ ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے قصص میں غور و فکر کیا جائے اور ہر واقعے کو اس کے تاریخی پس منظر اور لغوی سیاق میں رکھ کر پرکھا جائے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ قصص سے فقہی استنباط کرتے وقت مفسرین کے اقوال سے بھی استفادہ کرنا چاہیے خاص طور پر وہ مفسرین جنہوں نے اپنی تفاسیر میں فقہی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ایسی شخصیات میں امام ابن جریر طبریؒ، امام قرطبیؒ، امام ابن کثیرؒ اور علامہ آلوسیؒ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

۳۔ حضرت آدمؑ کے واقعے سے عصمت نبوی اور جواز توبہ کے فقہی اصول

قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کا واقعہ متعدد مقامات پر تفصیل سے بیان ہوا ہے اور اس واقعے میں متعدد ایسے نکات ہیں جن سے اہم فقہی اصول استنباط ہوتے ہیں۔ ایک بنیادی اصول جو اس قصے سے حاصل ہوتا ہے وہ عصمت انبیاءؑ کا مسئلہ ہے۔ قرآن مجید نے جب حضرت آدمؑ کی لغزش کا ذکر کیا تو وہاں یہ بات واضح کر دی کہ ان سے جو سرزد ہوا وہ ترک اولیٰ تھا نہ کہ کوئی کبیرہ گناہ۔ فقہاء نے یہ حکم استنباط کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ بشری تقاضوں کے تحت کوئی معمولی لغزش کر بیٹھیں تو بھی وہ اس پر شریعت کے مطابق توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ انبیاء کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں لیکن صغائر یا ترک اولیٰ ان سے صادر ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں ان کے لیے توبہ واجب ہوتی ہے۔ ایک اور فقہی نکتہ جو اس قصے سے نکلتا ہے وہ توبہ کی شرعی حیثیت ہے۔ حضرت آدمؑ نے جب اپنی لغزش پر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کے مخصوص کلمات سکھائے جیسا کہ

---

[2] سلیمان بن خلف بن سعد، **احکام الفصول فی الاحکام الاصول** (مصر: دار المعارف، 1994ء)، ج:1، ص:146-210

قرآن مجید میں ہے(فتلقى آدمء من ربه كلمات فتاب عليه)۔[3] ان کلمات سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ توبہ کے لیے کوئی مخصوص اور مقید الفاظ شرعاً ضروری نہیں بلکہ توبہ دل کی پشیمانی، عمل کے ترک اور مستقبل میں نہ کرنے کے عزم پر منحصر ہے۔ البتہ ان کلمات سے یہ ثابت ہوا کہ اگر توبہ میں کچھ دعائیہ الفاظ بھی شامل کر لیے جائیں تو وہ توبہ کو مکمل کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔[4] ایک اور انتہائی اہم فقہی پہلو جو اس قصے سے حاصل ہوتا ہے وہ سزا اور استحقاق کا مسئلہ ہے۔ جب حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی نے ممنوعہ درخت سے کھایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت سے نکال دیا۔[5] اس سے فقہاء نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ جرم اور سزا کے درمیان مناسبت ہونی چاہیے اور جس جگہ جرم کیا گیا ہو وہاں سے مجرم کو نکال دینا یا اس کی جگہ تبدیل کر دینا ایک تعزیری سزا ہو سکتی ہے۔[6]

حضرت آدمؑ کے اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدمؑ کو زمین میں خلیفہ بنایا اور اس کے لیے انہیں استعداد عطا کی۔[7] اس سے فقہی اعتبار سے یہ حکم نکلا کہ انسان کو زمین پر تصرف کا حق ہے لیکن یہ تصرف مطلق نہیں بلکہ شرعی حدود کے پابند ہے۔ ایک اور نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت آدمؑ اور حواؑ دونوں نے مل کر اس لغزش کا ارتکاب کیا تو دونوں کو مل کر سزا بھی ملی۔ اس سے یہ استنباط ہوا کہ اجتماعی جرائم میں تمام شریک افراد یکساں طور پر مجرم تصور کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ شیطان کے اس واقعے میں حضرت آدمؑ کو بہکانے کے طریقے سے یہ سبق ملا کہ دھوکہ دہی اور جھوٹے وعدوں کے ذریعے کسی کو بہکانا خود ایک الگ جرم ہے اور اس پر الگ سزا ہو سکتی ہے۔ فقہاء نے اس واقعے سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ انسان کو اپنی نسیان اور بھول پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اگر وہ فوراً متنبہ ہو جائے اور توبہ کر لے۔ حضرت آدمؑ نے جب اپنی لغزش پر متنبہ ہوئے تو فوراً توبہ کی جس سے یہ ثابت ہوا کہ لغزش کے فوراً بعد توبہ کر لینے سے سزا ساقط ہو سکتی ہے یا کم ہو سکتی ہے۔ اس طرح حضرت آدمؑ کا مختصر سا واقعہ فقہی اعتبار سے کتنے قیمتی اصولوں کا حامل ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۴۔ حضرت نوحؑ کی کشتی اور طوفان سے معاہدات و حدود کے استنباط

---

[3] البقرہ2:37

[4] قرطبی، محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن** (بیروت، دار النشر والتوزیع، 1990ء)، ج:1، ص:98-110

[5] البقرہ2:35-36

[6] شہاب الدین ثاقب، **تعیین تعزیز شرعاو قانونا**، مجلہ انٹرنیشنل جنرل آف ایڈوانس اسٹڈیز، 2021، E-ISSN: 2706-8927، ج:3، شمارہ:2، ص:88-95
https://www.allstudyjournal.com/article/528/3-1-88-363.pdf

[7] البقرہ2:30

حضرت نوحؑ کا واقعہ قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے آیا ہے اور یہ واقعہ محض ایک قوم کی ہلاکت کی داستان نہیں بلکہ اس میں قانونی اور فقہی اعتبار سے بے شمار سبق پوشیدہ ہیں۔ ایک اہم نکتہ جو اس واقعے سے ملتا ہے وہ تبلیغ کے طریقہ کار اور اس کے قانونی تقاضوں سے متعلق ہے۔ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اس طویل مدت میں انہوں نے مختلف حکمت عملیاں اختیار کیں، کبھی علانیہ تو کبھی پوشیدہ طور پر تبلیغ کی۔[8] اس سے فقہاء نے یہ حکم استنباط کیا ہے کہ کسی بھی قانون یا شریعت کے نفاذ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ایک دن میں نافذ ہو جائے بلکہ مرحلہ وار تبدیلی کو بھی شرعی حیثیت حاصل ہے۔ ایک فقہی نکتہ یہ بھی ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم جب اپنے کفر و ضلالت پر اڑ گئی اور انہوں نے نہ صرف خود انکار کیا بلکہ دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان کا عذاب نازل فرمایا۔[9] اس سے یہ حکم ثابت ہوا کہ جب کوئی قوم یا گروہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے اور اس کی سرکشی کی کوئی حد نہ رہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ سکتا ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی کی تعمیر سے متعلق بھی ایک نکتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنالو۔[10] اس حکم سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ کسی بھی بڑے منصوبے یا تعمیراتی کام کے لیے شرعی اجازت یا حکومتی منظوری ضروری ہے اور بغیر اجازت کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ جب طوفان آیا تو حضرت نوحؑ نے اپنے ایمان والوں کو کشتی میں سوار کر لیا۔[11] اس میں ایک اہم قانونی پہلو یہ ہے کہ کسی عام مصیبت میں جب جان و مال کا خطرہ ہو تو حکومت یا بڑی ذمہ دار شخصیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کا اہتمام کرے اور اس میں کسی طرح کی تاخیر نہ کرے۔

حضرت نوحؑ کا بیٹا کفر کی وجہ سے کشتی میں سوار نہ ہو سکا اور آخر کار وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے نوحؑ وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں،[12] اس واقعے سے فقہاء نے یہ بڑا اہم اصول استنباط کیا ہے کہ اسلامی قانون میں رشتہ داری یا نسب کسی کو سزا یا عذاب سے نہیں بچا سکتا بلکہ معیار صرف عمل اور ایمان ہے۔ یہ اصول عدالتی فیصلوں میں بہت کام آتا ہے

---

[8] العنکوبت10:29؛ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، **قصص الانبیاء** (لاہور: فقہ الحدیث پبلیکیشنز، 2014ء)، ص:56-78

[9] ھود44:11

[10] ابن کثیر، **قصص الانبیاء**، ص:89-96

[11] محمد اسحاق دہلوی، **طوفان نوح** (لاہور، کتب خانہ شان اسلام، 2018ء)، ص:3-38

[12] ھود46:11

کہ کسی مجرم کو اس کے اعلیٰ رشتہ دار ہونے کی وجہ سے رعایت نہیں دی جاسکتی۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت نوحؑ نے طوفان کے بعد جب خشکی پر قدم رکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو برکت دی۔ اس سے یہ حکم ثابت ہوا کہ کسی بڑی مصیبت کے بعد جو لوگ بچ جائیں ان کی مدد اور بحالی کرنا حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ خاص نکتہ یہ ہے کہ کافروں کی ہلاکت کے بعد ان کا مال و متاع کسے ملے گا اس کا تصور بھی اس واقعے سے ملتا ہے کیونکہ جب کافر ڈوب گئے تو ان کا سارا مال اور زمینیں حضرت نوحؑ کے ساتھیوں کے پاس آگئیں۔ فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ جنگ یا کسی قدرتی آفت میں جب کافروں کا غلبہ ختم ہو جائے تو ان کی زمینیں اور جائیدادیں مسلمانوں کے قبضے میں آسکتی ہیں بشرطیکہ یہ قبضہ شرعی قواعد کے مطابق ہو۔ اس طرح حضرت نوحؑ کا واقعہ معاہدات، حدود اور جنگی قوانین کے لیے ایک بہترین ماڈل فراہم کرتا ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے مناظروں اور قربانی سے قیاس واجتہاد کے قواعد

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور آپ کے واقعات میں فقہی اعتبار سے وہ گہرائی ہے جو شاید ہی کسی اور نبی میں ہو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خلیل کا درجہ دیا اور آپ کی زندگی کے ہر موڑ پر کوئی نہ کوئی قانونی مسئلہ جھلکتا ہے۔ ایک اہم فقہی نکتہ جو حضرت ابراہیمؑ کے واقعے سے حاصل ہوتا ہے وہ قیاس کی شرعی حیثیت ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے آسمان کے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھا اور اپنی قوم کے سامنے منطقی استدلال کیا تو دراصل وہ ایک قانونی قیاس پیش کر رہے تھے کہ جس کا معبود غروب ہو جائے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔[13] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا کہ قیاس شرعی دلائل میں سے ایک معتبر دلیل ہے اور جب تک نص میں کوئی صریح حکم نہ ہو تو قیاس کے ذریعے نئے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ انتہائی اہم فقہی واقعہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ آزر کے ساتھ سلوک ہے۔[14] آزر بت پرست تھا اور شرک کرتا تھا پھر بھی حضرت ابراہیمؑ نے اس کے لیے استغفار کیا اور نرمی سے بات کی۔ جب باپ کے کفر پر یقین ہو گیا تو آپ نے اس سے بیزاری اختیار کر لی۔ اس سے فقہاء نے یہ اصول نکالا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے مگر یہ سلوک اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب والدین کھلم کھلا شرک یا کبیرہ گناہوں کا اظہار کرنے لگیں اور اس معاملے میں اطاعت والدین کی بجائے اطاعت الٰہی مقدم ہو گی۔ ایک اہم فقہی نکتہ حضرت ابراہیمؑ کے اس فعل سے ملتا ہے جب انہوں نے بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ لوگ اس سے پوچھیں۔ اس فعل سے فقہاء نے یہ ثابت کیا کہ باطل نظام کے خلاف عملی اقدامات کرتے وقت جائز ہے کہ حکمت عملی کے تحت کوئی ایسا فعل کیا جائے جو ظاہری طور پر تو کچھ اور ہو مگر حقیقت

---

[13] الانعام 6:76-78

[14] رازی،، محمد فخر الدین بن عمر، **التفسیر الکبیر، مفاتیح الغیب** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1990ء)، ج5، ص: 189-225

میں حق کو واضح کرنا مقصود ہو۔ اسے فقہ میں توریہ کہتے ہیں اور یہ بعض اوقات جائز قرار دیا گیا ہے۔ بہت بڑا فقہی مسئلہ حضرت ابراہیمؑ کی آگ میں ڈالے جانے اور پھر محفوظ رہنے کا واقعہ ہے۔ نمرود نے انہیں آگ میں ڈلوانے کا حکم دیا اور پوری قوم نے اس حکم کی تعمیل کی۔[15] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ کسی ظالم حکمران کے ظلم پر مبنی حکم کی تعمیل کرنے والے بھی مجرم ہیں کیونکہ انہوں نے برائی میں تعاون کیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ آگ نے حضرت ابراہیمؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ معجزہ تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو بچانا چاہے تو کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

حضرت ابراہیمؑ کے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی گردن میں چھری چلانے کے واقعے سے بہت سے فقہی نکات اخذ ہوتے ہیں۔ خواب میں حکم ہوا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو اور دونوں نے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔ جب چھری چلائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ بھیجا۔[16] اس واقعے سے فقہاء نے یہ اصول استنباط کیا کہ اگر کوئی والد اپنی اولاد کو کسی قانونی حد یا سزا کے تحت قتل کرنا چاہے تو وہ اس کا مجاز نہیں ہے کیونکہ یہ محض ایک امتحان تھا اور شریعت میں والد کو بیٹے کا قاتل بننے سے روکا گیا ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ خواب میں آنے والے احکام اگر وہ نبوت کے ساتھ ہوں تو قابل عمل ہیں بصورت دیگر کسی عام شخص کا خواب شرعی حکم ثابت کرنے کے لیے معتبر نہیں۔ ایک اہم نکتہ قربانی کے جانور کا حکم ہے کہ قربانی میں بکری، بھیڑ، اونٹ یا گائے ذبح کی جا سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کے بدلے میں ایک عظیم ذبیحہ عطا فرمایا۔ ایک فقہی نکتہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے خانہ کعبہ کی تعمیر سے بھی ملتا ہے۔ انہوں نے مل کر کعبہ کی دیواریں اٹھائیں اور دعا کی کہ ہمیں حج کے طریقے سکھا۔[17] اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت کے لیے جگہوں کی تعمیر اور ان کی حفاظت امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور اس میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں۔

۶۔ حضرت لوطؑ کی قوم کے عذاب سے حدود اللہ اور جنسی جرائم کی سزائیں

حضرت لوطؑ کا واقعہ قرآن مجید میں متعدد سورتوں میں آیا ہے اور یہ واقعہ شاید سب سے زیادہ فقہی احکام سے عبارت ہے خاص طور پر جنسی جرائم اور حدود اللہ کے حوالے سے۔ حضرت لوطؑ کی قوم جسے قوم لوطؑ کے نام سے جانا جاتا ہے نے لواطت جیسا غیر فطری جرم ایجاد کیا جو ان سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا تھا۔ قرآن مجید نے اس قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا اور اس کے عذاب کو عبرت کا

---

[15] احمد بن محمد زرقا، **شرح القواعد الفقہیۃ**(دمشق: دارالقلم، 1989ء)، ص:320-325

[16] مریم29:54-55؛ میاں محمد جمیل ایم-اے، **سیرت ابراہیم علیہ السلام**،(لاہور: ابوہریرہ اکیڈمی، 2014ء)، ص:95-140

[17] ابراہیم35:14

نشان بنادیا۔[18] اس واقعے سے فقہاء نے جنسی جرائم کی سنگین ترین سزاؤں کا استنباط کیا ہے۔ بنیادی فقہی نکتہ یہ ہے کہ لواطت کا جرم شرعاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور اس کی سزا حد ہے۔ احادیث میں اس پر سزائے موت کا ذکر آیا ہے اور قرآن مجید نے قوم لوطؑ کو پتھروں اور مٹی کے طوفان سے ہلاک کیا جسے فقہاء نے رجم کے طور پر تعبیر کیا ہے۔[19] اہم نکتہ یہ ہے کہ اس جرم کی انجام دہی کے لیے کوئی نکاح یا معاہدہ درکار نہیں بلکہ محض فعل کا ارتکاب ہی جرم کے وقوع کے لیے کافی ہے۔ ایک اہم نکتہ حضرت لوطؑ کی قوم کے اس فعل کی نہ صرف یہ کہ وہ خود کرتے تھے بلکہ وہ آکر مسافروں اور مہمانوں سے یہ فعل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت لوطؑ کے پاس فرشتے بھی خوب صورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تو قوم نے ان کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی۔[20] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ نہ صرف خود فعل حرام ہے بلکہ اس کی دعوت دینا، اس پر اکسانا یا اس کے لیے راہ ہموار کرنا بھی حرام ہے اور اس پر الگ سے تعزیر کی سزا ہو سکتی ہے۔

جب حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی اس قوم کی عورتیں تمہارے لیے جائز ہیں تو اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت میں شادی کا دروازہ کھلا ہے اور جائز طریقے سے جنسی خواہشات کی تکمیل ممکن ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نکاح میں رضامندی اور ولی کی اجازت ضروری ہے اور زنا یا لواطت کی کوئی صورت جائز نہیں۔ ایک اہم فقہی نکتہ حضرت لوطؑ کی بیوی کے بارے میں ہے۔ قرآن مجید نے بتایا کہ حضرت لوطؑ کی بیوی بھی ان کی قوم کے ساتھ مل کر رہتی تھی اور جب عذاب آیا تو وہ بھی ہلاک ہو گئی حالانکہ وہ نبی کی بیوی تھی۔[21] اس سے فقہاء نے یہ اصول استنباط کیا ہے کہ کسی بڑے بزرگ یا نبی کی بیوی ہونا اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا اگر وہ خود کافر اور فاسق ہو۔ یہ اصول عدالتوں میں بہت اہم ہے کہ کسی مجرم کو اس کے رشتہ داروں یا اساتذہ کی وجہ سے رعایت نہیں دی جا سکتی۔ اہم نکتہ ہے کہ عذاب کے وقت حضرت لوطؑ کو حکم دیا گیا کہ رات کے وقت اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔ اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی شہر یا علاقہ عذاب الٰہی کے لائق ہو جائے تو وہاں سے اہل ایمان کو ہجرت کر لینی چاہیے اور ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ عذاب کے دوران حضرت لوطؑ کی

---

[18] الشعراء26:160-179

[19] محمد بن عبد الواحد، **فتح القدیر، کتاب الحدود، باب حد الزنا**(بیروت: دار الفکر، 1991ء)، ج:8، ص:220-234

[20] ھود11:78

[21] التحریم66:12

بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ بھی ہلاک ہو گئی۔[22] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی عذاب یا مصیبت کے علاقے سے باہر نکل رہا ہو تو اسے حکم کی سختی سے تعمیل کرنی چاہیے اور کسی طرح کی نافرمانی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ کاش میرے پاس کوئی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا۔ اس سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں قانون کے نفاذ کے لیے طاقت اور اختیار ضروری ہے اور جب تک قانون کو نافذ کرنے والا طاقتور نہ ہو گا تب تک جرائم ختم نہیں ہوں گے۔ قوم لوطؑ پر مٹی کے پتھروں اور جلتی ہوئی مٹی کا عذاب بھیجا گیا جسے فقہاء نے رجم سے تشبیہ دی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا کہ شادی شدہ زانی اور لواطت کرنے والے کے لیے رجم ہی مناسب سزا ہے۔ یوں حضرت لوطؑ کا واقعہ حدود اللہ کے نفاذ اور جنسی جرائم کی روک تھام کے لیے ایک جامع قانونی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

۷۔ حضرت شعیبؑ کے اہل مدین سے نزول میں تجارت، ناپ تول اور معاشی جرائم

حضرت شعیبؑ کا واقعہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور یہ واقعہ معاشی اور تجارتی جرائم کے حوالے سے انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت شعیبؑ اس قوم کی طرف بھیجے گئے جنہیں اہل مدین یا اصحاب ایکہ کہا جاتا ہے اور یہ قوم تجارت میں بڑی مہارت رکھتی تھی مگر ان کا سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے دیتے تھے اور زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔ قرآن مجید نے حضرت شعیبؑ کے ان الفاظ کو نقل کیا ہے کہ اے میری قوم پورے پیمانے اور پورے تول سے دو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔[23] اس واقعے سے فقہاء نے معاشی جرائم کی ایک طویل فہرست مرتب کی ہے اور تجارت کے بنیادی قواعد وضع کیے ہیں۔ ایک بنیادی فقہی اصول یہ ہے کہ تجارت میں ایمان داری فرض ہے اور ناپ تول میں کمی کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی اور اسے تعزیراً سزا دی جاسکتی ہے۔ اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اسے حلال طریقے سے کماؤ اور حرام سے بچو۔[24] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ کسب معاش کے تمام ذرائع حلال ہونے چاہئیں اور حرام ذرائع جیسے جوا، سود، چوری، ڈکیتی، رشوت وغیرہ سے بچنا ضروری ہے۔

---

[22] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم** (بیروت: دار الفکر، 1993ء)، ج:6، ص:178-181

[23] الشعراء26:176-192

[24] جصاص، احمد بن علی، **الاحکام القرآن** (بیروت: دار لکتب العلمیہ، 1981ء)، ج:16 ص:10-78

اہل مدین نے جب حضرت شعیبؑ کو سمجھایا تو انہوں نے کہا کہ کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے چھوڑ دیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادات کا تعلق معاملات سے جدا نہیں بلکہ نماز جیسی عبادت انسان کو معاملات میں بھی ایمانداری کا پابند کرتی ہے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو تنبیہ کی کہ وہ زمین میں فساد نہ پھیلائیں۔[25] فقہاء نے فساد کی متعدد اقسام بیان کی ہیں جیسے ناپ تول میں کمی، چوری، ڈاکہ، راہزنی، جھوٹی گواہی اور سود خوری۔ یہ سب فساد فی الارض کے زمرے میں آتے ہیں اور ان پر سخت سزائیں مقرر ہیں۔ حضرت شعیبؑ نے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے دیتے ہو۔[26] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا کہ ہر چیز کی اپنی ایک معیاری پیمائش ہونی چاہیے اور اگر کوئی شخص اس معیاری پیمائش میں کمی کرتا ہے تو وہ دھوکہ دہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ آج کے دور میں جب کہ کلو، گرام، لیٹر اور میٹر کے پیمانے متعین ہیں ان میں کمی کرنا بھی اسی جرم میں شامل ہے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو شہر سے نکالنے کی دھمکی دی۔[27] اس سے فقہاء نے یہ حکم استنباط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حق بات کہے اور اسے سیدھے راستے کی دعوت دے تو اسے ایذا رسانی یا شہر بدر کرنا جائز نہیں اور یہ ظلم کی ایک شکل ہے جس پر سزا ہے۔

اہل مدین نے اپنی سرکشی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلے کا عذاب بھیجا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے مر گئے۔ اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا کہ معاشی جرائم اگر اجتماعی شکل اختیار کر لیں اور پورا معاشرہ ان میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آ سکتا ہے۔ ایک اہم نکتہ حضرت شعیبؑ کے ان الفاظ سے بھی ملتا ہے کہ میں تمہیں اس بات سے روکتا ہوں اور خود بھی اس سے باز رہتا ہوں۔ اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں قائدین اور علماء کا فرض ہے کہ وہ پہلے خود جرم سے بچیں پھر دوسروں کو روکیں۔[28] حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ دیکھو جو کچھ بچ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اس سے فقہی اعتبار سے یہ ثابت ہوا کہ حلال کمائی میں برکت ہوتی ہے اور اگر آپ تھوڑا کمائیں لیکن حلال طریقے سے تو وہ بہت زیادہ حرام کمائی سے بہتر ہے۔ اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی معاشرے میں وزن اور پیمانے کے لیے ایک مرکزی نظام

---

[25] محمود احمد غضنفر، **نبیوں کے قصے** (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2025ء)، ص:135-149

[26] الاعراف 7:85؛ طبری، محمد بن جریر، **جامع القرآن عن تاویل القرآن**، ج:4، ص:329-340

[27] الاعراف 7:88

[28] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **سنن ترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب** (کراچی، مکتبہ البشریٰ، 2015ء)، ج:2،، حدیث:2710

ہونا چاہیے جیسا کہ آج کل محکمہ اوزان و مقادیر کام کرتا ہے تاکہ کوئی بھی دکاندار یا تاجر دھوکہ نہ دے سکے۔ یوں حضرت شعیبؑ کا واقعہ معاشی فقہ کا ایک مینارہ روشن ہے۔

۸۔ حضرت موسیٰؑ کے قانونی مناظرے اور بنی اسرائیل کے فقہی احکام

حضرت موسیٰؑ کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور آپؑ کے واقعات میں فقہی اعتبار سے وہ وسعت ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے ایک پوری قوم کو غلامی سے نکال کر آزاد کیا اور ان کے لیے ایک مکمل قانونی نظام تورات کی صورت میں لائے۔ قرآن مجید نے تورات کے بہت سے احکام کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود حضرت موسیٰؑ کے فیصلوں اور مناظروں کو بطور قانونی مثال پیش کیا ہے۔ ایک اہم فقہی نکتہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان ہونے والے مناظرے سے ملتا ہے۔ فرعون نے خود کو خدا بنالیا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے اسے معجزات کے ذریعے جھٹلایا۔[29] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ کسی بھی حاکم یا حکمران کا اپنے آپ کو خدا یا قانون سے بالاتر سمجھنا حرام ہے اور ایسی صورت میں اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہو سکتا ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے اس فعل سے ملتا ہے جب انہوں نے ایک قبطی کو مار ڈالا اور پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔[30] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ظالم کو مار کر کسی مظلوم کی جان بچاتا ہے اور اس میں اس کی نیت درست ہو تو اگرچہ ظاہراً یہ قتل ہے مگر اندرونی طور پر یہ دفاع ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں اس پر قصاص نہیں بلکہ توبہ اور کفارہ لازم آتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے مدین پہنچنے اور وہاں دو عورتوں کے لیے جانوروں کو پانی پلانے کے واقعے سے بھی ایک اہم نکتہ ملتا ہے۔[31] اس واقعے سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ عورتوں کے لیے اگر کوئی ضروری کام ہو تو وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہیں لیکن پردے اور حجاب کے ساتھ اور غیر مردوں سے غیر ضروری بات چیت سے بچنا چاہیے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے ان عورتوں کی مدد کی تو ان میں سے ایک عورت ادھر ادھر دیکھتی ہوئی آئی جس سے یہ ثابت ہوا کہ پردے کی پابندی عورت کے لیے ضروری ہے۔ بہت اہم فقہی نکتہ حضرت شعیبؑ کے یہاں حضرت موسیٰؑ کی نوکری اور پھر شادی کے واقعے سے ملتا ہے۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کر دوں گا بشرطیکہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو۔[32] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا

---

[29] النازعات24:79

[30] القصص15:28

[31] ایضا:17-21؛ابو بکر بن مسعود الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الحظر والاباحۃ**(بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1988ء)، ج:7، ص:57

[32] القصص18:28-22

کہ مہر کے عوض کوئی کام یا خدمت بھی ہو سکتی ہے اور یہ جائز ہے۔ نیز یہ کہ نکاح میں لفظی ایجاب و قبول کے ساتھ ساتھ شرائط کا تعین بھی جائز ہے۔ ایک اہم نکتہ کے طور پر حضرت موسیٰؑ کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے اور انہیں دس احکام ملنے کا واقعہ ہے۔ ان دس احکام میں توحید، بت پرستی سے بچنا، والدین کا احترام، قتل سے بچنا، زنا سے بچنا، چوری سے بچنا، جھوٹی گواہی سے بچنا اور دوسرے مسائل شامل تھے۔[33] یہ تمام احکام اسلامی شریعت میں بھی اسی طرح موجود ہیں جس سے ثابت ہوا کہ تمام آسمانی شرائع کے بنیادی اصول ایک ہیں۔

سامری کے فتنے سے بھی اہم فقہی نکتہ ملتا ہے جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔[34] اس واقعے سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ قوم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نبی یا امام کی اطاعت کریں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر اپنے بھائی ہارون کو ڈانٹا اور بچھڑا توڑ کر دریا میں بہا دیا۔ ایک اہم نکتہ بنی اسرائیل کے ایک قتل کے واقعے سے ملتا ہے جب ایک شخص ملا مردہ پڑا تھا اور لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ قاتل کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کا کوئی حصہ مردے پر مارو تو وہ زندہ ہو جائے گا اور بتا دے گا کہ قاتل کون ہے۔[35] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ اگر کسی قتل کے مقدمے میں گواہ نہ ہوں اور نہ ہی کوئی ثبوت ہو تو قسم اور قسامہ کے ذریعے بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔[36] اہم نکتہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو تورات کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو ان پر سخت عذاب آئے۔[37] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ قانون اور شریعت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سزائیں ہیں اور کوئی قوم قانون کو توڑ کر بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔[38]

۹۔ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ سے عدالتی فیصلوں اور شہادت کے قواعد

حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ کے واقعات میں عدالتی فیصلوں، شہادت، قضاوت اور انصاف کے ایسے گوہر بکھرے ہیں جو کسی بھی قانونی نظام کو روشنی فراہم کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کا واقعہ دیکھیں جب دو فریقین ان

---

[33] ابن کثیر، **قصص الانبیاء**، ص:199-230

[34] طٰہٰ 20:93-96

[35] البقرہ 2:67-70

[36] عبداللہ بن احمد نسفی، **کنز الدقائق، کتاب القسامہ** (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 2010ء)، ص:35-96

[37] البقرہ 2:93

[38] علی بن ابی بکر، **الهدایة، کتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامة الحدود** (کراچی، مکتبہ البشریٰ، 2016ء)، ج:3، ص:118

کے پاس مقدمہ لے کر آئے۔ ایک شخص نے کہا کہ میرے بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے وہ وہ بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ حضرت داؤدؑ نے بغیر دوسرے فریق کو سنے ہی فیصلہ سنا دیا کہ یہ ظلم ہے۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے انہیں متنبہ کیا کہ تم نے بغیر سماعت کے فیصلہ کر دیا۔[39] اس سے فقہاء نے یہ انتہائی اہم اصول اخذ کیا ہے کہ عدالت میں قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں فریقین کو برابر کا موقع دے، ان کی بات غور سے سنے اور تب فیصلہ کرے۔ کسی ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ کرنا ظلم ہے اور ایسا فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہو گا۔[40]

حضرت سلیمانؑ کے فیصلے سے بھی اہم فقہی نکتہ ملتا ہے جب دو عورتوں کے درمیان بچے کا جھگڑا ہوا۔ ایک عورت کی اولاد مر گئی تھی اور اس نے دوسری عورت کے زندہ بچے کو اپنا بتایا۔ حضرت داؤدؑ نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا لیکن حضرت سلیمانؑ جو اس وقت کم سن تھے نے کہا کہ اس بچے کو دو حصوں میں چیر دو تاکہ دونوں کو مل جائے۔ اصل ماں نے فوراً کہا کہ بچے کو دوسری عورت کے حوالے کر دو اسے قتل نہ کرو جبکہ دوسری عورت خاموش رہی۔ اس طرح حضرت سلیمانؑ نے اصل ماں کو پہچان لیا۔ اس واقعے سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ عدالت میں بعض اوقات ایسے حیلے اور طریقے استعمال کرنے چاہئیں جو سچ کو جھوٹ سے الگ کر سکیں۔ اسے فقہ میں قرائن احوال کہتے ہیں اور یہ بطور دلیل استعمال ہو سکتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے واقعے سے بھی فقہی نکتہ ملتا ہے جب زلیخا نے انہیں بہکانے کی کوشش کی اور پھر جب معاملہ عدالت میں گیا تو ایک چھوٹے بچے نے گواہی دی کہ حضرت یوسفؑ کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ ثابت ہوا کہ زلیخا جھوٹی ہے۔[41] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ چھوٹے بچے کی گواہی بھی بعض صورتوں میں قابل قبول ہوتی ہے خاص طور پر جب بچہ اتنا ہوشیار ہو کہ سچ جھوٹ کی تمیز کر سکے۔ ایک اہم نکتہ حضرت یوسفؑ کے قید خانے کے واقعے سے ملتا ہے جب دو قیدیوں نے ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے یہ بتاؤں گا کہ شرک اور بت پرستی کیوں حرام ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ قاضی کو چاہیے کہ وہ فیصلہ سنانے سے پہلے فریقین کو نیکی اور تقویٰ کی طرف دعوت دے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات یاد دلائے۔[42] بہت اہم نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اقرار کیا کہ

---

[39] الانبیاء 79:21

[40] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب القضاء**، ج:5، ص:451-478

[41] یوسف 12:23-29

[42] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب القضاء**، ج:5، ص:503-515

ہم نے اپنے بھائی یوسفؑ کے ساتھ زیادتی کی ہے تو حضرت یوسفؑ نے معافی دے دی۔[43] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا کہ قصاص یا سزا سے پہلے اگر مجرم اپنے جرم کا اقرار کرے اور معافی مانگے تو متاثرہ فریق اسے معاف کر سکتا ہے اور ایسی صورت میں سزا ساقط ہو جاتی ہے۔[44]

حضرت سلیمانؑ کے پرندوں اور جنات کے بارے میں علم سے اہم فقہی نکتہ ملتا ہے کہ ان کے پاس ایک ہدہد آیا اور بتایا کہ ملکہ سبا سورج کی پوجا کرتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے اس پر غور کیا اور پھر ملکہ سبا کو خط لکھا۔[45] اس سے فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ قاضی یا حاکم کو چاہیے کہ وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرے اور کسی بھی معاملے میں جلدی فیصلہ نہ کرے بلکہ پوری تحقیق کرے۔[46] ایک اہم نکتہ حضرت داوٗدؑ کے زبور کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں زبور دی گئی جس میں وعظ و نصیحت تھی۔[47] اس سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ عدالتوں میں صرف سزائیں ہی نہیں ہونی چاہئیں بلکہ نرمی اور نصیحت کا بھی دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یوں یہ تینوں انبیاء عدالتی فقہ کے شاہکار ہیں۔

۱۰۔ خلاصہ بحث

قرآن مجید کے قصص انبیاء سے فقہی احکام کا استنباط ایک نہایت اہم اور بنیادی علمی میدان ہے، کیونکہ ان قصوں میں محض تاریخی واقعات یا اخلاقی نصیحتیں نہیں بلکہ واضح قانونی اصول، عدالتی راہ نمائی اور عملی احکام بھی موجود ہیں جن سے براہ راست یا بالواسطہ فقہی نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ قرآن مجید کے تمام انبیاءؑ کے قصوں سے مختلف فقہی احکام اور اصول مستنبط کیے جاسکتے ہیں، جو انسانی زندگی کے متنوع پہلوؤں کی راہ نمائی کرتے ہیں۔ حضرت نوحؑ کے واقعے سے دعوت، اصلاح معاشرہ اور اجتماعی ذمہ داری کے اصول سامنے آتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعات سے توحید کے تحفظ، باطل نظاموں سے برأت اور قربانی و اطاعت کے فقہی و عملی پہلو واضح ہوتے ہیں۔ حضرت لوطؑ کے قصے سے معاشرتی برائیوں کے خلاف قانونی و اخلاقی حدود کا تعین اور فحاشی و فساد کی روک تھام کے اصول اخذ ہوتے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کے واقعے سے معاشی معاملات میں انصاف، ناپ تول کی درستگی اور مالی شفافیت کے فقہی

---

[43] یوسف 12:99-100

[44] علی بن ابی بکر، **الھدایۃ، کتاب الدیات**، ج:3، ص:514-550

[45] النمل 27:20-22

[46] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب القضاء**، ج:5، ص:525-534

[47] الاسراء 17:54-55

قواعد سامنے آتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعات سے عدالتی انصاف، ظلم کے خلاف جدوجہد اور ریاستی وسیاسی نظم کے اصول مستنبط ہوتے ہیں۔ حضرت داوٗدؑ کے واقعات سے عدل پر مبنی قضا اور فیصلہ سازی کے اصول واضح ہوتے ہیں، جبکہ حضرت سلیمانؑ کے واقعات سے انتظامی حکمت، ریاستی تدبیر اور عدل کے ساتھ حکمرانی کے فقہی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے واقعے سے معاشی منصوبہ بندی، امانت داری، انتظامی حکمت اور بحران میں ریاستی پالیسی سازی کے اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ ان تمام مثالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے قصص انبیاءؑ سے مختلف فقہی احکام اور اصول شریعت مستنبط کیے جاسکتے ہیں۔ ان سے استنباط کرتے وقت اصول فقہ اور اصولیین کے مقرر کردہ قواعد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ درست علمی نتائج تک پہنچا جاسکے۔ مجموعی طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید کے قصص انبیاءؑ ایک جامع فقہی و قانونی ذخیرہ ہیں، جن سے ہر دور کے لیے راہ نمائی اور عملی اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں۔